محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یونس جون پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء ـــ ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء

بہ قلم : مولانا نور عالم خلیل امینی
چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادبِ عربی
دار العلوم دیو بند

سہ شنبہ: ۱۶/ شوال ۱۴۳۸ھ = ۱۱/ جولائی ۲۰۱۷ء کی صبح کو جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی کہ برِّ صغیر کے محدثِ فرید حضرت مولانا محمد یونس جون پوری نمازِ فجر کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، ہر شخص غم والم کی تصویر بن گیا۔ تقریباً سارے علما و طلبہ، دینی حلقے کے لوگوں؛ بل کہ عام مسلمانوں کا رخ مرحوم کی آخری دیدار و تجہیز و تکفین و نماز جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت کے حصول کے لیے، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی طرف ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے نمازِ عصر تک ـــ جس کے بعد جنازے کی نماز ادا کیے جانے کا اعلان کیا جا چکا تھا ـــ محتاط اندازے کے مطابق دو ڈھائی لاکھ کا مجمع اکٹھا ہو گیا، جو غالباً سہارن پور کی تاریخ میں پہلی بار کسی علمی و دینی عظیم و یکتا شخصیت کی موت پر ملک کے کونے کونے سے سیلِ بے پناہ کی طرح اُمڈ آیا تھا۔

حضرت مولانا جون پوریؒ نوعمری ہی سے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہے۔ مظاہرِ علوم میں طالب علمی کے زمانے میں شدید قسم کے بخار کا شکار رہے، حتی کہ بہت نحیف ہو گئے اور خون کی قے آنے لگی۔ اساتذہ بالخصوص مہاجر مدنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء - ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) نے اپنے وطن چلے جانے کا مشورہ دیا؛ تاکہ صحیح طور پر دوا و علاج ہو سکے؛ لیکن اُنھوں نے فوری اور وقتی تعلیمی انقطاع کو بھی گوارا نہیں کیا اور اساتذہ سے عرض کیا کہ

''حضرت! اگر مرنا ہے تو یہیں (مدرسے میں) مر جاؤں گا، جو بات کان میں پڑے گی، وہ دل میں اتر ہی جائے گی''

(الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الأحادیث العالیۃ، ص ۳۰، ط ۲: ۱۴۳۹ھ ۲۰۰۹ء، دہلی)

گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے:

باقی نہ رہے ساکھ اداؔ دشتِ جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے
(اداؔ جعفری)

تدریسی دورانیے میں بھی، مطالعے کی کثرت، شب بیداری، خورونوش کے سلسلے میں بے اعتنائی ولا پرواہی اور بالعموم بے آرامی کی وجہ سے بیماریوں کا تسلسل رہا۔ علاج معالجے سے کبھی کمی آجاتی اور کبھی مرض میں شدت پیدا ہو جاتی۔ اُن پر سحر کا بھی اثر تھا، جس کی پیچیدگیوں اور اثرات کا اکثر اظہار کرتے رہتے تھے۔ آخری چھ سات سالوں کے دوران تو کئی مرتبہ اتنے

بیمار ہوئے کہ لوگوں کو اُن کی زندگی کے حوالے سے مایوسی سی ہوگئی۔ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ = اکتوبر ۲۰۱۵ء میں حج کے سفر کے دوران مدینۂ منورہ میں گردے نے کام کرنا چھوڑ دیا، وہاں زیرِ علاج رہے، روزانہ ڈیالیسس ہوا کرتا تھا؛لیکن افاقہ نہ ہوا۔ اُن کے تلامذہ ومحبین اُنھیں ممبئی لے آئے، وہاں ایک ہسپتال میں بہت توجہ اور نگہ داشت والے یونٹ میں علاج ہوا، ساتھ ہی پوری دنیا کے دینی حلقے خلوص اور دل سوزی کے ساتھ شب وروز اُن کی صحت یابی کے لیے دعا گو رہے، جس کی برکت سے صرف ایک ہی عشرے میں الحمدللہ اُن کے گردے نے کام کرنا شروع کر دیا، ڈیالیسس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ کچھ دنوں بعد وہ مکمل صحت وعافیت کے ساتھ سہارن پور آ گئے۔ یہ راقم جمعرات: ۱۰/صفر ۱۴۳۶ھ = ۴/دسمبر ۲۰۱۴ء کو اُن کی مزاج پرسی کے لیے حاضرِ خدمت ہوا تو خوشی ہوئی کہ وہ خاصے نشیط اور تازہ دم تھے، اُن پر صرف اضمحلال اور کم زوری کا اثر تھا۔ ہم چند حضرات کے ساتھ اُن کے حُجرے میں پہنچے تو وہ کتابوں سے بھری پری الماریوں کے بیچ قبلہ کی طرف رُخ کر کے لیٹے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ پر اپنے سر کو ٹیکے ہوئے تھے، اُنھوں نے اسی ہاتھ کو بڑھایا، راقم نے اُسی میں ہاتھ ڈال کر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ پھر آگے یہ راقم اور اُس کے پیچھے دیگر حضرات باادب بیٹھ گئے۔ حضرت مولاناؒ نے بیٹھتے ہی راقم سے استفسار فرمایا:

''دارالعلوم دیوبند میں آپ کیا کرتے ہیں؟''

راقم نے عرض کیا کہ وہ عربی زبان وادب پڑھاتا ہے اور وہاں سے شائع ہونے والے ماہ وار عربی رسالے کی ادارت کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت مولاناؒ نے فرمایا:

''عربی زبان پڑھانے سے یہ نیت کرنی چاہیے کہ یہ طلبہ عربی پڑھیں گے اور اُس کو سمجھیں گے تو اس کے ذریعے قرآنِ پاک اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھیں گے''

مزید فرمایا:

''اِس کے علاوہ کوئی اور نیت بے سود ہے، بس یہی نیت اصل اور جامع ہے''

مزید فرمایا:

''میں جب تدریس سے وابستہ ہوا تو مجھے پڑھانے کو جو کچھ ملا، اُس میں مقاماتِ حریری بھی تھی، میرے درسی ساتھی مولانا عاقل کو اُصول الشاسی ملی، میں نے سوچا کہ اُس کو تو صحیح کتاب ملی؛ کیوں کہ فقہ، اُصولِ فقہ جو اصل علوم میں سے ہیں، اُس فن کی کتاب مل گئی؛ لیکن مجھ کو تو سَمت سے ہٹی ہوئی کتاب ملی ہے، پھر میں نے سوچا کہ نہیں، یہ کتاب بھی ٹھیک ہے؛ کیوں کہ طلبہ اِس سے عربی زبان کو سمجھیں گے، عربی کے الفاظ وتعبیرات سے واقف ہوں گے، تو اُس کے ذریعے قرآن وحدیث کو سمجھیں گے، تو اُنھیں بھی ثواب ملے گا اور مجھے بھی''

اِسی دوران مدینۂ منورہ میں قیام وعلاج کے سلسلے کی کچھ باتیں ذکر فرمائیں، پھر ارشاد فرمایا:

''بہت سے لوگ طالب علمی کی زندگی میں اور مدرسی کی زندگی میں بھی بہت صاف ستھرے رہتے ہیں، مجھ سے یہ اس لیے نہ ہوسکا کہ میں کتابوں میں ہر وقت لگا رہتا تھا، کتابوں کی گرد وغبار ہمیشہ میرے دامن کو آلودہ رکھتی تھی اور تیلی کا کپڑا ہی میرا کپڑا ہوتا تھا۔ بعد میں جب واقعات پڑھے تو خوشی ہوئی کہ محدثین کے کپڑے روشنائی سے آلودہ رہتے

تھے؛ کیوں کہ ہمہ وقت لکھنے لکھانے کی وجہ سے، اُن کے لیے روشنائی کے داغ سے مفر نہ تھا۔'' (راقم کی ذاتی ڈائری محررہ بہ روز جمعہ: ۱۱/ صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۵/ دسمبر ۲۰۱۴ء)

حضرت مولاناؒ سے رخصت ہو کر ہم لوگ زیریں منزل میں مہمان خانے میں آ گئے، جہاں مظاہرِ علوم کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد مدظلہ انتظار فرما رہے تھے، اُن کے ساتھ چائے وائے لی گئی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی اب کی بار صحت یابی محض خدائے کریم کا فضلِ خاص اور ہزاروں نیک لوگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے؛ ورنہ اُن کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، ہم لوگ تو بہت مایوس ہو گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دوبارہ زندگی دی ہے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات ہوئی تو وہ بہ ظاہر کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہ تھے جس سے لوگوں کو عموماً اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب اُن کا شاید وقتِ آخر آ چکا ہے۔ دوشنبہ - سہ شنبہ: ۱۵- ۱۶/ شوال = ۱۰-۱۱/ جولائی کی شب میں مغرب کے وقت سے اُنھوں نے قدرے اضمحلال محسوس کیا؛ اس لیے رات کا کھانا بھی نہیں لے سکے، کم زوری کے شدید اِحساس کے دوران بے ہوشی سی طاری ہوئی پھر قدرے اِفاقہ ہو گیا، اُن کی خدمت میں اُس وقت بھی حسبِ معمول چند طلبہ تھے، جن میں مرض کی نوعیت اور اُس کی شدت کا اِدراک کرنے کی صلاحیت نہ تھی، نہ وہ بروقت کسی مناسب طبیب یا ڈاکٹر کو بلا سکے، اسی کم زوری اور بے ہوشی کے ساتھ رات گزری، نمازِ فجر کے لیے طلبہ نے وضو کرایا، دوسری رکعت میں سجدے کے لیے گئے تو نیم بے ہوشی اور کم زوری کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکے، خدام نے اسی حالت میں لٹا دیا اور اسی کیفیت میں آپ نے جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

ذمے داروں نے مزید اطمینان کے لیے شہر کے ''میڈی گرام'' ہسپتال لے جانا مناسب سمجھا، جہاں ڈاکٹروں نے دیکھتے ہی بتادیا کہ اُن کی وفات ہو چکی ہے۔ اُسی دن بعد نمازِ عصر اُن کی نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قُدِّسَ سِرُّہ کے صاحب زادۂ گرامی پیر جی حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور اس گنجینۂ علم وفضل کو علما وصلحا کے ہزاروں کے برگزیدہ مجمع نے باچشمِ نم وبادلِ پُرغم اور اَن مٹ یادوں کے ساتھ کمال شاہ قبرستان میں قبیلِ مغرب سپردِ خاک کردیا۔ غم کا سارا ماحول اُنھیں مٹی دینے والوں سے اِن لفظوں میں مخاطب تھا:

جسم تو جسم ہے، ایک دن خاک میں مل جاتا ہے
تم بہ ہرحال کتابوں میں پڑھو گے اِن کو

لیکن مرحوم کے جیسے عظیم لوگ صرف کاغذ کی کتابوں میں ہی نہیں پڑھے جاتے؛ بل کہ ہزاروں لاکھوں لوگ اُنھیں کتابِ دل میں بھی پڑھتے رہتے ہیں اور ہر دل میں اُن کی یادوں کی شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے؛ کیوں کہ ایسے چیدہ لوگ مدت کے بعد، اور بے پناہ دعاؤں کے نتیجے میں خدائے کریم کی قدرت سے معرضِ وجود میں آتے ہیں:

مدت کے بعد ہوتے ہیں، پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے، جن کے نشاں کبھی

مشہور شاعر سیمابؔ اکبرآبادی (مولانا عاشق حسین تلمیذ غالبؔ: ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء — ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) نے تو اپنے ایک شعر میں کہا تھا کہ انسان مرتے ہی افسانہ بن جاتا ہے اور فراموشی کی نذر ہو جاتا ہے:

کہانی ہے تو اِتنی ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

بالعموم تو ایسا ہی ہوتا ہے؛ لیکن مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ جیسے منتخبِ روزگار علمائے صالحین کبھی فراموش نہیں ہوتے؛ بل کہ خانۂ خیال اور دیدۂ ودل میں اِس طرح بسے رہتے ہیں جیسے گلاب کے پھولوں کی پتیوں میں بادِ سحر گاہی کا نَم۔ وہ جب تک زندہ رہتے ہیں تو اپنی شخصیت کے مخصوص سانچے میں انتہائی جاذبِ نظر پھولوں کی خوش رنگ قبَا ہوتے ہیں اور موت کے ہاتھوں جب اُن کے وجود کے تار بکھرتے ہیں تو وہ خوش بو کی طرح پھیل جاتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کی زبانِ حال پر گویا شاعر کا یہ شعر ہوتا ہے:

سمٹا تو بنا پھولوں کی خوش رنگ قبَا میں
بکھرا ہوں تو خوش بو کی طرح پھیل گیا ہوں

❁ ❁ ❁

صوبہ اتر پردیش کے ایک مشرقی ضلع ''جون پور'' کے ایک معمولی سے گاؤں ''چوکیہ گورینی'' میں دوشنبہ: ۲۵/ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲/ اکتوبر ۱۹۳۷ء کی صبح کو جہانِ آب وگل میں آنے والے بچے محمد یونس بن بشیر احمد کے متعلق کوئی بڑے سے بڑا ذہین وروشن دماغ قیِافہ شناس یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ایک دن علم وفضل میں یگانۂ روزگار بننے والا ہے؛ کیوں کہ اُن کے بچپن کا ماحول خاصا نراس اور مایوسانہ تھا، اُن کے مختصر سے گاؤں میں جو نہ صرف وسائلِ زندگانی سے عاری تھا؛ بل کہ پڑھنے لکھنے کا کوئی ماحول نہ تھا؛ حتی کہ کوئی دینی مکتب بھی نہ تھا جو گزشتہ صدی ہجری تک برصغیر ہندوپاک میں بنیادی اسلامی تعلیم وتربیت کا واحد وسیلہ تھا؛ اِسی لیے نہ صرف اُن کے گاؤں میں؛ بل کہ پورے علاقے میں عام طور پر جہالت تھی؛ لیکن علاقے کے مسلمان بالعموم صحیح العقیدہ دیوبندی مسلمان تھے۔ وہ پانچ سال دس ماہ کے تھے کہ مادرِ مہربان کا سایۂ ہُما سر سے اُٹھ گیا اور نانی جان نے پرورش وپرداخت کی۔ اپنے گاؤں میں پڑھائی لکھائی کا کوئی نظم نہ تھا، چھ سات سال کی عمر تھی کہ نانی جان چھوٹے ماموں کو کسی قریب کے گاؤں کے مکتب میں جانے کے لیے مار رہی تھیں کہ اُنھوں نے بھی اپنے ماموں کے ساتھ مکتب جانے کے لیے اِصرار کیا اور اپنے گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع اس مکتب تک کبھی پیادہ پا اور کبھی ماموں کے کندھے پر سوار ہو کر پہنچے۔ بچپن کی وجہ سے صرف کھیل کود کر مکتب سے آجاتے۔ پھر کسی اور مکتب میں آنا جانا شروع کیا، وہاں قاعدۂ بغدادی تھوڑی بہت پڑھی، ماموں جان نے پڑھنا چھوڑ دیا تو بچے محمد یونس کا پڑھنا بھی موقوف ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اُن کے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول قائم ہو گیا، تو اس میں پڑھنے کے لیے جانے لگے، یہاں درجہ دوم تک پڑھا۔ درجہ سوم کے

لیے پڑوس کے گاؤں ''مانی کلاں'' کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، درجہ سوم کا امتحان پاس کرنے کے بعد والدِ محترم نے یہ کہہ کر اسکول کی تعلیم چھڑادی کہ انگریزی کا دور نہیں اور ہندی میں پڑھانا نہیں چاہتا۔ اِسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے طور پر ہندی کی ریڈنگ بک کا پہلا حصہ پڑھ رہے تھے، جس میں لکھا ہوا تھا کہ ''طوطا رام رام کرتا ہے'' والد محترم نے جب اِس عبارت کو پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''کتاب رکھ دو، بہت پڑھ لیا''۔

اِس کے بعد تقریباً دو سال تک تعلیمی سلسلہ بالکل منقطع رہا۔ تقریباً تیرہ سال کی عمر میں قصبہ ''مانی کلاں'' کے مدرسہ ''ضیاء العلوم'' میں داخل ہوئے، جہاں اردو کے علاوہ ابتدائی فارسی سے سکندر نامہ تک اور ابتدائی عربی سے مختصر المعانی، مقاماتِ حریری، شرح وقایہ اور نور الانوار تک کتابیں پڑھیں۔

اس مدرسے کے اساتذہ میں دو اساتذہ سے اکثر کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا اپنی خود نوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

''اکثر کتابیں استاذی مولانا ضیاء الحق صاحب سے اور شرح جامی بحث اسم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے (پڑھی)؛ مگر کثرتِ امراض کی وجہ سے بیچ میں طویل فترات واقع ہوتی رہیں؛ اس لیے تکمیل کافی مؤخر ہوگئی۔ پھر یہ بھی پیش آیا کہ ہماری جماعت ٹوٹ گئی، ہم نے اوّلاً شرح جامی، شرح وِقایہ، نور الانوار مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھی تھیں؛ مگر جماعت نہ ہونے کی وجہ سے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اگلے سال پھر اِنھی کتابوں میں داخل کردیا اور خود پڑھایا۔'' (الیواقیت الغالیہ، ص ۲۹)۔

اِن دونوں اساتذہ نے ہی اصلاً حضرت مولاناؒ کی علمی استعداد کی بنیاد گزاری کی، بالخصوص مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ نے، جو حضرت مولاناؒ کے لیے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے کہ اپنی محنت اور وقت کا خاصا حصہ بڑی لگن اور دُھن کے ساتھ، اُن کی تعلیم وتربیت پر صرف کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدائے حکیم وقادر نے اِس کام کے لیے مُسَخَّر کردیا تھا کہ وہ اپنے اس شاگرد کی استعداد سازی میں مُنْہمِک ہوجائیں۔ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ شَيْئًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے ایک بڑا عالم ومرکزِ نگاہ محدث بننے کی راہ اسی چھوٹے سے مدرسے سے نکال دی۔

کائنات کی ہر چیز خدا کے حکم کے تابع ہے، وہ کسی بھی چیز یا شخص سے جب چاہے، جس وقت چاہے، جہاں چاہے، جس طرح چاہے؛ کام لے لیتا ہے۔ علمی استعداد کی مضبوطی واستحکام کی اساس گزاری ابتدائی درجات کی کتابوں کے ذریعے ہی کی جاتی ہے، اگر ان کتابوں پر کماحقُّہٗ عبور حاصل نہ ہوسکے تو طالب علم کی علمی پختگی کے حوالے سے کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔ چہارم، پنجم عربی تک ہی طالب علم کے کامل الاستعداد بننے یا ناقص الاستعداد رہ جانے کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ جیسے کسی عمارت کی بنیاد کی کم زوری اور کجی، بالائی ساری منزلوں کے کم زور اور کج ہوجانے کا یقینی سبب ہوتی ہے، اُسی طرح ابتدائی درجات کی کم زوریاں انتہائی تعلیمی درجات تک کم زور وبے ثمر رہ جانے کا منطقی ذریعہ ہوتی ہے۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اِسی لیے حضرت مولانا کی اِحسان شناس زبان، دورہ حدیث کے درجے میں دورانِ تدریس بھی، اکثر اُن دونوں حضرات بالخصوص مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ کا، بہت جذباتی لہجے میں تذکرہ کرتی رہتی تھی۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فیض آبادی ثم الجون پوریؒ (۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء — ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء) تو ایک صاحب نسبت اور نام ور بزرگ کی حیثیت سے بہت جانے اور مانے گئے، وہ ضلع فیض آباد کے گاؤں ''دیوریا'' کے رہنے والے تھے اُنھوں نے ''گورینی''، ضلع جون پور میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جو ہنوز محوِ فیض رسانی ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے بھی ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء سے تاحیات رکن رہے۔ وہ مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم ندوۃ العلما کی مجلس انتظامی کے بھی رکن تھے؛ لیکن مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء) کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ وہ ضلع فیض آباد (حالیہ ضلع ''امبیڈکرنگر'') کے گاؤں ''برہی عادل پور'' کے باسی، مظاہر علوم سہارن کے تعلیم یافتہ، ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں وہاں سے فارغ شدہ، مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں کے مدرس اور محدثِ فرید حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ کے استاذ اور اُن کی استعدادِ علمی کے اولین بنیاد گزار تھے۔ وہ صرف ۶۵ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے؛ لیکن اُن کا یہی ایک کارنامہ کہ اُنھوں نے حضرت مولانا جون پوریؒ جیسے عالم ومحدث کی تخلیق کی راہ پیدا کی، اُن کے نام کو دوام دینے اور نامۂ اعمال کو بے انتہا باوزن بنانے کے لیے کافی ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ مولانا ضیاء الحق حضرت مولانا عبدالحلیمؒ کے ابتدائی کتابوں کے شاگردوں میں تھے۔

حضرت مولانا محمد یونسؒ اپنے استاذ مولانا عبدالحلیم صاحب مظاہریؒ کے مشورے سے اعلیٰ تعلیم کے لیے، دوشنبہ: ۱۵/ شوال ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۵۸ء کو مظاہرِ علوم میں داخل ہوے۔ یہاں پہلے سال (۱۳۷۷ — ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ — ۱۹۵۹ء) جلالین، ہدایہ اولین، میبذی اور سراجی وغیرہ پڑھی۔ دوسرے سال (۱۳۷۸ — ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ — ۱۹۶۰) بیضاوی، ہدایہ ثالث، مقدمہ مشکاۃ، شرح نخبۃ الفکر، مدارک، سلم العلوا اور میر قطبی پڑھیں۔ تیسرے سال (۱۳۷۹ — ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ — ۱۹۶۱ء) دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، جس میں ساری کتابوں میں امتیازی نمبرات حاصل کیے اور مظاہر علوم کے طلبہ میں سب سے زیادہ نمبرات حاصل کرکے فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ اساتذۂ گرامی نے بعض کتابوں میں مقررہ نمبرات سے زائد نمبرات دیے۔ دورۂ حدیث کے بعد بھی مزید علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، جیسے: ہدایہ رابع، صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب اور درمختار۔

اُنھوں نے دورۂ حدیث کے سال بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدّس سرُّہ سے، ابوداود شریف وطحاوی شریف ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء — ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) سے، مسلم شریف وموطا امام محمد حضرت مولانا محمد منظور احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء) سے، ترمذی ونسائی وموطا امام مالک وابن ماجہ وشمائل ترمذی حضرت مولانا امیر احمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء — ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء) سے پڑھیں۔

❁ ❁ ❁

زراعت وفلاحت پیشہ والد جناب شبیر احمدؒ کی خواہش رہی ہوگی کہ اُن کا بچہ محمد یونس میری طرح کاشت کاری کے پیشے کو اپنائے اور ایک اچھا کسان بن کر ''اچھی زندگی'' گزارنے کا گُر سیکھ لے؛ لیکن خدائے علیم وحکیم نے اُس کی قسمت کو چمکانا اور اُس کو ذرّے سے آفتاب بنانا مقدر کر رکھا تھا؛ چناں چہ اُس کریم نے اسے توفیق دی کہ وہ مدرسہ ''ضیاء العلوم'' مانی کلاں ضلع جون پور میں اپنی بنیادی تعلیمی لیاقت کو بہتر سے بہتر طور پر استوار کرکے، اعلی تعلیم کے لیے اپنے وقت کے ائمہ حدیث کے پاس پہنچ جائے، جو صلاح وتقوی کا بھی اعلی نمونہ تھے۔ اللہ تعالی نے اپنی حکمت سے اُن کے دلوں کو اس نوجوان کی طرف متوجہ کردیا، اُنھوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ اُس کی تربیت اور روحانی ترقی پر بھی توجہ دی اور رسمی تعلیم کے مکمل دوارنیے میں اسے خصوصی التفات سے نوازے رکھا۔ نوجوان نے مسلسل بیماری، مفلوک الحال اور کس مپرسی کے باوجود بے پناہ محنت کی، کتابوں کا کیڑا بنا رہا، شب ورز مطالعہ وکتب بینی اُس کی شناخت بنی رہی، ذکاوت وفہم وفراست اور قوتِ حافظہ اُس کی بے پناہ وفادار رہی۔ وہ جو پڑھتا یاد ہوجاتا، جو کچھ مطالعہ کرتا وہ حافظے میں محفوظ ہوجاتا، اساتذہ جو درسی تقریریں کرتے، اُنھیں وہ اچھی طرح ہضم کرنے والا اور معانی ومطالب تک صحیح طور پر پہنچنے والا ثابت ہوتا۔ اُس نے راہِ علم میں اپنے کو واقعتاً مٹایا تھا، تو اللہ نے اُسے اعلی وارفع مقام عطا کیا اور اپنے بہت سے ہم عصروں کے لیے لائقِ رشک اور بڑوں کے نزدیک قابل اعتماد بن گیا۔ سید غلام مستؔ کلکتوی نے کتنی سچی بات کتنے سادہ اور برجستہ انداز میں کہہ دی ہے:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گل زار ہوتا ہے

شمعِ علم پر، پروانہ بن کر نثار ہوجانے کی اپنی کیفیت کو اپنے قلم سے حضرت مولاناؒ نے اِس طرح بیان کیا ہے:

''میں مسلسل بیمار رہا، مظاہر علوم آنے کے چند دن بعد بخار ہوگیا اور پھر منھ سے خون آگیا، حضرت اقدس ناظم (مولانا محمد اسعد اللہ) صاحب نور اللہ مرقدہ کا مشورہ ہوا کہ میں گھر واپس ہوجاؤں؛ لیکن میں نے انکار کردیا۔ حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ، نے بلاکر ارشاد فرمایا: (بیماری میں کیا پڑھا جائے گا؟) میں نے عرض کیا اور اب تک الفاظ یاد ہیں: (حضرت! جو کان میں پڑے گا وہ دماغ میں اتر ہی جائے گا) اس پر حضرت قدس سرّہ نے ارشاد فرمایا: (پھر پڑا رہ)۔'' (الیواقیت الغالیہ، ص ۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کی سچی محنت اور اپنے مقصد پر فدائیت کے جذبۂ صادق کو کبھی رائگاں نہیں کرتا، بس یہ ضروری ہے کہ انسان تھک ہار کے بیٹھ نہ جائے؛ بل کہ ناآشنائے تکان بنا رہے اور ہمیشہ اور ہر حال میں محوِ سفر رہے۔ حفیظؔ میرٹھی کیا خوب کہہ گئے ہیں:

شہیدِ جستجو ہوکر تو دیکھیں
پتہ پوچھے گی خود منزل ہمارا

مولاناؒ کے بعض خُدّام جیسے مولانا مفتی محمد جابر پالن پوری استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھروڈ، ضلع بھروچ، گجرات نے بتایا کہ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے:

’’جب میں فارغ ہوا تو ہمارے سب ساتھی ایسے تھے کہ اُن کی جگہیں پہلے سے متعین تھیں، ہم ہی ایک بے کس و بے بس تھے، جس کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا، اسی بے بسی کے عالم میں ایک دن سوچ رہا تھا کہ کل گھر چلے جائیں گے، ہم نے عشا کی نماز حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ کے بغل میں پڑھی (اس جملے کو ادا کرتے ہوئے حضرت مولانا جون پوریؒ آب دیدہ ہو گئے) حضرت شیخ اُٹھ کر نفل پڑھنے لگے۔ میں خوب رویا کہ اب یہ حضرات دیکھنے کو نہیں ملیں گے۔ اُس کے بعد سنت اور وتر پڑھ کر اپنی جگہ آ گیا۔ پھر مجھے اللہ نے حضرتِ شیخ ہی کی زبانی یہ خوش خبری سنائی کہ ہم تمھیں یہاں رکھ لیتے ہیں۔ شاید جیب میں صابن رکھ لیا تھا کہ کل کپڑے دھو کر کے یہاں سے چلا جانا ہے۔ بچو! جو کچھ ہوا اللہ کے کرم سے ہوا؛ ورنہ ناچیز عیوب کا مجموعہ اِس قابل نہ تھا کہ پڑھتا اور پڑھاتا۔‘‘

ذہانت، محنت اور قوتِ حافظہ کی وجہ سے حضرت مولاناؒ اپنے سارے اساتذہ کے محبوب رہے، بالخصوص حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہ اور بالاخص حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرّہ کے، جن کی جوہر شناس طبیعت نے اس ’’درِّ ثمین‘‘ کو بہت اچھی طرح پہچان لیا تھا، چناں چہ خاص توجّہ کے ساتھ اسے تراشا اور قیمتی تر بنا دیا۔ اُن کے کمالات کو نسبتاً کم عمری میں جو بال و پر عطا ہوئے، اُس میں اُن کی جاں فشانی و قوتِ حافظہ کے علاوہ حضرت شیخ اور دیگر مردانِ مومن کی نگاہ ہائے اکسیری کو بھی بڑا دخل رہا جن سے اِس کسان زادے کی تقدیر بدل گئی اور ’’کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید‘‘ کے منظر کا مشاہدہ لوگوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے کر لیا۔

یہ راقم اکثر کہا کرتا ہے کہ خدائے حکیم جب کسی کو محرومیوں سے دوچار کرتا ہے، تو اسے بالیقین بہت سی حصولیابیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نوعمری ہی سے طرح طرح کی بیماریوں کی آماج گاہ رہے، گھر کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی؛ کیوں کہ اُن کے والد جناب شبیر احمد صاحبؒ معمولی کسان تھے۔ پریشاں حالی اور ناداری اُن کی طالب علمانہ زندگی پر ہمیشہ سایہ زن رہی؛ لیکن اُنھوں نے کبھی جی نہ ہارا اور حالات کے جبر کے سامنے کبھی سپر انداز نہ ہوئے، تو اللہ تعالی نے اُنھیں علم و فضل کی دولتِ فراواں سے نواز کر اُنھیں اِس دنیا میں سرخ رو کر دیا۔ اِن شاء اللہ خدائے کریم، اُنھیں آخرت میں یہاں سے بھی زیادہ نوازے گا، جہاں کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

اُس عزم میں عظمت کی کوئی بات نہیں ہے
جو عزم کہ پروردۂ آفات نہیں ہے
(حفیظ میرٹھی)

❁ ❁ ❁

بہ ہر کیف شوال ۱۳۸۱ھ = فروری ۱۹۶۲ء میں مولاناؒ کا مظاہر علوم میں سات روپے ماہ وار وظیفے پر معین مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، شرحِ وقایہ اور قطبی پڑھانے کو ملیں، ۱۳۸۲ھ = ۱۹۶۳ء میں یہی کتابیں زیر تدریس رہیں، البتہ وظیفہ دس روپے ماہ وار کر دیا گیا۔ ۱۳۸۳ھ = ۱۹۶۴ء میں تیس روپے خشک (یعنی بلا طعام) پر باقاعدہ مدرس مقرر ہوئے اور مقامات حریری و قطبی وغیرہ پڑھائیں۔ چوتھے سال یعنی ۱۳۸۴ھ = ۱۹۶۵ء میں ہدایہ اولین، قطبی، اُصول الشاسی وغیرہ زیر تدریس

رہیں۔ اِسی سال ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ = مئی ۱۹۶۵ء میں مظاہر علوم کے ایک موقر استاذ حضرت امیر احمد کاندھلویؒ کے وفات پا جانے کی وجہ سے، مشکاۃ شریف، جو حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء — ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء) سے متعلق تھی، منتقل ہوکر حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے پاس آ گئی، جسے اِنھوں نے ''باب الکبائر'' سے پڑھانی شروع کی۔ شوال ۱۳۸۵ھ = جنوری ۱۹۶۶ء سے شروع ہونے والے تعلیمی سال کے مکمل دورانیے میں انھوں نے مشکاۃ شریف مکمل کے ساتھ ساتھ مختصر المعانی، قطبی، شرح وقایہ پڑھائی۔

مشکاۃ شریف کی تدریس سے حضرت مولانا مرحوم کی وسعت مطالعہ، نوخاستہ مدرس ہونے کے باوجود، حدیث کے فن پر لائقِ ذکر دست رس اور آزمودہ کار مدرس کی طرح ترسیلی صلاحیت کا اِس درجہ چرچا ہوا کہ مشائخ کو اندازہ ہوگیا کہ اِس نوجوان عالم کے سلسلے میں ہماری توقعات، بالکل صحیح ثابت ہوئیں اور کیوں نہ ہوتیں جب اُنھوں نے خونِ جگر جلایا اور جان ودل کو راہِ علم میں بے پناہ لُٹایا تھا:

اُن میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جان و دل
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں
(فیض احمد فیضؔ)

چناں چہ شوال ۱۳۸۶ھ = جنوری ۱۹۶۷ء کے تعلیمی سال میں نور الانوار کے ساتھ ساتھ اُنھیں حدیث شریف کی مشکاۃ سے آگے کی دو کتابیں تدریس کے لیے سپرد کی گئیں، یعنی ابوداود شریف اور نسائی شریف۔ جب کہ ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۸ء کے تعلیمی سال میں حدیث شریف کی پانچ کتابیں زیرِ تدریس کردی گئیں، یعنی مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، موطا امام مالک اور موطا امام محمد۔ اِس کے بعد حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کو جب یقین ہوگیا کہ ہمارا جانشیں مُہیّا ہوگیا ہے، تو انھوں نے مدینۂ منورہ ہجرت کرجانے کا پختہ ارادہ کرلیا اور شوال ۱۳۸۸ھ = دسمبر ۱۹۶۸ء کے تعلیمی سال سے بخاری شریف کی تدریس کی ذمے داری، شاگردِ رشید مولانا محمد یونسؒ کے سپرد کردی، اُنھوں نے بخاری شریف کے ساتھ مسلم شریف اور ہدایہ ثالث بھی پڑھائی۔

یہ زمانہ دار العلوم دیوبند میں راقم کی طالب علمی کا زمانہ تھا؛ کیوں کہ وہ بدھ: ۱۶/ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دار العلوم میں داخل ہوا تھا۔ شوال ۱۳۸۸ھ/ دسمبر ۱۹۶۸ء میں جب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ نے بخاری شریف، نوجوان عالم مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کی، تو اُن کی نوعمری کے باوصف اُن کی قوتِ حافظہ، ذہانت اور فن حدیث پر اُس زبردست قابو کے باوجود، جو اس عمر میں عام طور پر حاصل نہیں ہوتا؛ مظاہر علوم کے کیمپس میں طلبہ میں چہ میگوئیاں اور مدرسوں کے حلقے میں ایک طرح کی حیرت کی کیفیت عام تھی۔ راقم دار العلوم میں طلبہ کی زبانوں سے یہ رائے زنیاں سنتا تھا کہ حضرت شیخ نے اپنے ایک نوعمر اور نوآموز شاگرد کو اپنی جگہ شیخ الحدیث بنا دیا ہے۔ مظاہر علوم سے جو طلبہ آتے تھے، اُن میں سے اکثر یہ بات کہتے تھے کہ مولانا یونس ویسے تو خاصے ذہین، قوی الحافظہ اور کثیر المطالعہ ہیں؛ لیکن حضرت شیخ جیسے کثیر التصانیف، تجربہ کار اور مشہور بزرگ کی جگہ پر ایک بالکل نوجوان عالم کا تقرر نہ صرف باعثِ حیرت؛ بل کہ ہم طلبہ کے لیے

اِحساسِ محرومی کا سبب ہے۔

حضرت شیخ کو مدینۂ منورہ میں (جہاں وہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے) اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اُن کے حکم سے انتظامیہ کی طرف سے اِس مضمون کا اِعلان اِحاطۂ مظاہر میں آویزاں کیا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اپنے شاگرد رشید مولانا محمد یونس کے درسِ حدیث کو پسند کرنے اور اُن کی علمی لیاقت پر مکمل اطمینان کے بعد، اُن کی طرف بخاری شریف کی تدریس کی ذمے داری، اِس لیے منتقل کی ہے کہ ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے، حضرت شیخ میں تدریس کی قوت اور ہمت نہیں رہی، جسے پڑھنا ہو وہ پڑھے؛ ورنہ وہ کسی اور مدرسے میں داخلہ لے لے؛ لیکن مظاہر علوم میں کسی طرح کے انتشار کی کوئی کوشش روا نہ ہوگی۔

اِس اعلان کا یہ فائدہ ہوا کہ طلبہ خاصے پرسکون ہو گئے اور آہستہ آہستہ چہ میگوئیوں کی صورتِ حال بالکل ختم ہوگئی۔ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک نے تجربے کی راہ سے جان لیا کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فراست مومنانہ سے اپنے شاگرد سے تدریسِ حدیث کے حوالے سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں وہ مکمل طور پر برآئیں۔ ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۸ء کے تعلیمی سال میں، جب پہلی بار دورۂ حدیث شریف کی بخاری شریف کے سوا دیگر کتابیں مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے کی گئیں، اسی وقت حضرت شیخ الحدیث قدس سرّہ نے ایک رقعہ کے ذریعے، اُن پر نہ صرف مکمل اعتماد کا اظہار کیا تھا؛ بل کہ یہ پیشن گوئی بھی کی تھی کہ میری طرح سال ہا سال تدریسِ حدیث کے شغل کے بعد، اِن شاء اللہ مجھ سے فائق ہو جاؤ گے۔ حضرت شیخ کی تحریر حسبِ ذیل ہے، جو حضرت مولانا محمد یونسؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے نقل کی ہے:

”ابھی کم سن ہیں وہ کیا عشق کی باتیں جانیں
عرضِ حالِ دلِ بے تاب کو شکوہ سمجھے

ابھی تدریسِ دورہ کا پہلا سال ہے اور سیہ کار کو تدریسِ دورہ کا اکتالیسواں سال ہے اور تدریسِ حدیث کا سینتالیسواں سال ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تا دیر رکھے۔ جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے، تو اِن شاء اللہ مجھ سے آگے ہو گے، فقط۔“ (نوٹ: اس پرچے کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں، چالیس سال کے بعد پڑھیں) زکریا ۲۴/ رجب ۱۳۸۷ھ ۲۹/ستمبر ۱۹۶۷ء

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

حضرت مولانا محمد یونسؒ نہ صرف برّصغیر میں؛ بل کہ بڑی حد تک عالمی سطح پر علوم حدیث کے اُفُق پر آفتاب بن کر چمکے، اُن کی وفات سے صاف طور پر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علم وفضل کی ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے۔ اُنھوں نے خدا کی توفیق سے اپنے فن میں ایسی گیرائی وگہرائی حاصل کی کہ اُن کے اساتذہ وشیوخ واکابر نے بھی پیچیدہ علمی اشکالات کے سلسلے میں اُن سے رجوع کیا۔ اُنھوں نے اکابر کی علمی تحقیقات اور فن حدیث میں بہت سی نکتہ آفرینیوں اور حصول یابیوں کو آگے بڑھایا اور لکیر کا فقیر محض بنے رہنے سے اِبا کیا۔ ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء سے ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء تک مکمل (۵۰) پچاس سال تک بخاری شریف پڑھائی جب کہ حدیث شریف کی تدریس کی خدمت (۵۳) ترپین سال انجام دی، انھوں نے اِس

طویل دورانیے میں ذہنِ رسا وفکرِ نکتہ رس اور ناآشنائے تکان محنت کے طفیل، فنِ حدیث کے علاوہ تفسیر، اُصول تفسیر، فقہ واُصول فقہ اور اِحسان وتصوف کے علوم میں کمال حاصل کیا۔ حدیث کے باب میں، سارے گوشے اور عناوین وجزئیات پر اُن کی مجتہدانہ وناقدانہ نظر تھی۔ وہ دورانِ درس اُن سارے گوشوں پر بہ وقتِ ضروت بصیرت مندانہ کلام کرتے جس سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا۔

❁ ❁ ❁

مولانا محمد یونسؒ دارالحدیث میں جانے کے لیے خاصا اہتمام کرتے، لنگی کی بہ جائے پاے جامہ پہنتے، حال آں کہ اکثر وہ لنگی ہی استعمال کرتے، عبَا اوڑھتے، ہاتھ میں عصا لیتے، عطر لگاتے، اپنے حجرے سے وقار کے ساتھ برآمد ہوتے اور یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! شرحِ صدر فرما، اے اللہ ایسی بات کہلوا جو طلبہ کے لیے مفید ہو۔ اسباق کی پابندی کرتے اور کوشش رہتی کہ سبق ضرور پڑھائیں۔

وہ حدیث کے درس میں متنِ حدیث کے الفاظ کے ضبط کے علاوہ، حدیث کی مکمل اور بھرپور وضاحت کرتے، ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کے اقوال اور اُن کے دلائل نقل کرتے، اِسی کے ساتھ بین المذاہب مقارنہ کرتے اور وجوہ ترجیح کو ذکر فرماتے۔ وہ امام بخاریؒ (محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بخاری جعفی ابوعبداللہ حبر الاسلام: ۱۹۴ھ/ ۸۱۰ء ــ ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء) کے بڑے دل دادہ تھے، اسی لیے صحیح بخاری کے درس میں ایسا لگتا تھا کہ وہ امام بخاری کے ''ترجمان'' ہیں امام ابوحنیفہ کے نہیں۔ ائمۂ حدیث اور ائمۂ اجتہاد اور شارحینِ حدیث کے اقوال کو پیش کرتے ہوے، اُن کے درمیان محاکمہ کرتے اور قاضی کی طرح اُن میں سے کسی کے قول کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (احمد بن علی بن محمد کنانی عسقلانی ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر: ۷۷۳ھ/ ۱۳۷۲ء ــ ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء) کے بڑے معتقد تھے اور اُن کا بڑا احترام کرتے تھے؛ لیکن جابہ جا اُن پر استدراک کرتے اور خوب صورت انداز میں ان پر اعتراض کرتے اور اعتراض کی وجہ بیان کرتے۔ حدیثوں کے درمیان ظاہری تعارض کو دور کرتے، متقدمین ومتاخرین شراحِ بخاری کے اقوال وآرا کی روشنی میں ''تراجم بخاری'' کے صحیح مراد تک پہنچنے کی کوشش کرتے اور اپنی رائے کو مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کرتے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدّس سرُّہ نے بھی ''الابواب والتراجم'' میں اپنے شاگرد مولانا محمد یونسؒ کی متعدد آرا شامل کی ہیں۔

مولانا محمد یونسؒ کے تلامذہ برّصغیر ہی میں محصور نہیں؛ بل کہ اُن سے حدیث شریف، خصوصاً صحیحین پڑھنے والوں کا تعلق دنیا کے تقریباً چالیس ملکوں سے تھا، جن میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور محدثین نے بھی اُن سے استفادہ کیا، ایسے علما کی تعداد تو بہت ہے جنھوں نے مظاہرِ علوم میں یا مدینۂ منورہ یا مکۂ مکرمہ اور بلادِ عربیہ یا بریطانیہ وغیرہ میں قیام کے دوران کچھ حدیثیں اُن سے پڑھ کر اجازتِ حدیث حاصل کی۔

وہ بہت مُستَغرَق ہوکر مطالعہ کرتے تھے، مطالعہ کے وقت کسی طرف مُلتَفِت نہ ہوتے، جھک کر بیٹھتے، کسی چیز پر دورانِ مطالعہ کبھی ٹیک نہ لگاتے، چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں رہتیں؛ بل کہ اُن کا رہایشی کمرہ کتابوں اور کتابوں کی الماریوں ہی سے عبارت تھا۔ ذوقِ مطالعہ کی وجہ سے اُن کے کتب خانے میں تمام اسلامی علوم وفنون، بالخصوص علومِ حدیث

ومتعلقات، تفسیر اور اُس کے متعلقات، فقہ علی المذاہب الاربعۃ، بل کہ فقہ اہلِ ظواہر، تاریخ وسیرت، علوم ادب وشعر ونثر، لغت وجغرافیہ وغیرہ کی اِتنی اور ایسی منتخب کتابیں جمع ہوگئی تھیں جو برِّصغیر میں راقم کی معلومات کے مطابق خال خال معاصر محدث ہی کے پاس اندوختہ ہوئی ہوں گی۔ وہ اپنی ضرورت کی کتابیں بڑی محنت اور کوشش سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے، خرید کر یا عاریتاً، جسے وہ فائدہ اٹھانے کے بعد، بہ حفاظت تمام اصل مالک کو واپس کر دیتے۔ وہ کتابوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ رکھتے تھے، اکثر کتابوں پر پلاسٹک کا غلاف چڑھوا کر رکھتے تھے؛ تاکہ گرد وغبار سے محفوظ رہے اور کتابوں کے اوراق اور اُن کی جلدیں اپنی رونق نہ کھوسکیں۔ وہ اپنی ذات، صحت، خوراک وغیرہ کے حوالے سے ایک طرح کی بے توجّہی کے باوجود، خاصے نازک طبع، حسّاس، صفائی پسند اور ہر چیز کے حوالے سے سریع التاثر واقع ہوے تھے؛ اسی لیے وہ کتابوں کے سلسلے میں بھی خاصے حسّاس رہتے تھے۔

کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے علوم وفنون کے اصل مراجع اور کبار ائمہ کی معتد بہ کتابیں اُن کے مطالعے میں آ گئی تھیں۔ اُنھوں نے مسلسلات کے سبق میں ایک بار خود ارشاد فرمایا تھا کہ الحمدللہ امام محمدؒ، (محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی: ۱۳۱ھ/ ۷۴۸ء ـــ ۱۸۹ھ/ ۸۰۴ء) امام ابوحنیفہؒ (نعمان بن ثابت تیمی کوفی ابوحنیفہ: ۸۰ھ/ ۶۹۹ء ـــ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) امام احمد بن حنبل (احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ شیبانی وائلی: ۱۶۴ھ/ ۷۸۰ء ـــ ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) امام ابویوسفؒ (یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری کوفی بغدادی ابویوسف: ۱۱۳ھ/ ۷۳۱ء ـــ ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) امام مالکؒ (مالک بن انس بن مالک اصبحی حمیری ابوعبداللہ: ۹۳ھ/ ۷۱۲ء ـــ ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء) اور امام شافعیؒ (محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی مطلبی ابوعبد اللہ: ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء ـــ ۲۰۴ھ/ ۸۲۰ء) کی اکثر کتابوں کا مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔

انھوں نے ایک بار دورانِ درس فرمایا تھا: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، (احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ دمشقی حنبلی ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ: ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۳ء ـــ ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) حافظ شمس الدین ذہبیؒ، (محمد بن احمد بن عثمان ذہبی شمس الدین ابوعبداللہ: ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء ـــ ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۸ء) حافظ ابن کثیرؒ (اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی بصری دمشقی ابوالفداء عمادالدین: ۷۰۱ھ/ ۱۳۰۲ء ـــ ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء) حافظ ابن قیمؒ، (محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد دمشقی ابوعبداللہ شمس الدین: ۶۹۱ھ/ ۱۲۹۲ء ـــ ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء) حافظ ابن عبدالہادی حنبلیؒ، (محمد بن احمد بن عبدالہادی مقدسی حنبلی شمس الدین ابوعبداللہ: ۷۰۴ھ/ ۱۳۰۴ء ـــ ۷۴۴ھ/ ۱۳۴۳ء) محققِ احناف حافظ جمال الدین زیلعی (عثمان بن علی بن محجن، فخر الدین زیلعی: متوفی ۷۴۳ھ/ ۱۳۴۳ء) کی کتابوں سے میں نے فن حاصل کیا ہے، یہ حضرات بھی میرے اساتذہ ہیں، اُن میں سرفہرست حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہیں، میں اُن پر بہت اعتراض کرتا ہوں؛ لیکن اُن کی امامت، بزرگی اور برتری میرے نزدیک مسلم ہے۔

❁ ❁ ❁

نوعمری ہی سے امراض کا شکار رہنے کی وجہ سے، انھوں نے شادی نہیں کی اور مُجرَّد زندگی گزاری۔ وہ اپنی خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

''امراض کے تسلسل کی وجہ سے شادی کی ہمت ہی نہ ہوئی اور اب بڑھاپا شروع ہو چکا، حدودِ خمسین کے آخری سالوں میں چل رہا ہوں، اب بیماریوں کی وجہ سے ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ مگر ہوتا کیا ہے، وقت گزر گیا۔''
(الیواقیت الغالیہ ص،۳۱)

تجرد کی وجہ سے اُن کا سارا وقت پڑھنے پڑھانے کے لیے فارغ رہا، اہل وعیال کی وجہ سے گونا گوں مسائل اور مشاغل سے جو سابقہ پڑتا ہے، وہ اُنھیں نہیں پڑا؛ اس لیے کتابوں ہی سے ہم آغوش رہے۔ حافظہ کی وجہ سے پڑھی ہوئی چیزوں کا یاد رکھنا اُن کے لیے آسان ہوتا تھا۔ قوتِ حافظہ ایک محدث کے لیے سب سے بڑا ہتھیار ہے؛ بل کہ علم ومطالعہ کے لیے بنیاد کا پتھر ہے۔ مولانا محمد یونسؒ کے لیے فنِ حدیث کے بہت سے گوشے اِسی لیے وا ہوئے کہ بہت سارے مصادر ومراجع کے مطالعے کے نتائج اُن کے حافظے میں اصل حالت میں محفوظ رہے، کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے بہت سی کتابوں کو پڑھ گئے اور قوتِ حافظہ کی بنا پر علمی سرمایہ اندوختہ رہا، جس کی وجہ سے علمی استحضار رہا اور کتابوں کے صفحات گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے کھلے رہے اور اُن کے لیے اختلافی اور بحث طلب مسائل میں مکمل دلائل کے ساتھ بات کرنی آسان رہی۔ وُسعتِ مطالعہ کی وجہ سے اُن میں غور وفکر کی بھر پور صلاحیت پیدا ہوگئی تھی؛ اسی لیے مجتہدانہ موقف کے حامل بن گئے تھے؛ چناں چہ بہت سے مسائل کے حوالے سے اُن کا رویہ اپنے حنفی مذہب کے تئیں بالکلیہ تقلیدی نہیں رہ گیا تھا؛ بل کہ متعدد مشہور مسائل کے باب میں اپنے مذہب کے مستدلات ومُستَنَدات کے سلسلے میں عدم اطمینان کا اظہار فرمانے لگے تھے اور محدثین اور اصحابِ ظاہر کے نقطۂ نظر کو ترجیح دینے کا رجحان اُن پر غالب نظر آنے لگا تھا؛ مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک کے سلسلے میں جو موقف اختیار کیا، وہ صحیح تھا یا غلط، اس کا فیصلہ علمائے مُتقَنِین وراسخین فی العلم ہی کر سکتے ہیں؛ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ (۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء ــ ۶۲ ۱۳ھ/ ۱۹۴۳ء) نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اگر کسی وسیع النظر، ذکی الفہم، منصف مزاج عالم کو اپنی تحقیق سے، بہ شرطے کہ متقی بھی ہو بہ شہادتِ قلب کسی مسئلے میں کسی اور جانب شرحِ صدر ہو جائے، تو فی نفسہ اُس کے لیے ذاتی طور پر اُس مسئلے میں عدول عن المسلک جائز ہے؛ مگر دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ دیگر ائمہ اور اُن کے متبعین کے بارے میں کم علمی اور مخالفتِ سنت کا اِلزام دے کر تشویش نہ پیدا کرے۔ دوسرے عوام کے سامنے اپنے تفردات کا اِظہار نہ کرے؛ تاکہ وہ علما سے بے اعتمادی کا شکار نہ ہوں۔''
(دیکھیے ''ہدیۂ اہلِ حدیث'' مطبوعہ مکتبہ مدنیہ دیو بند ص ۱۰۸ ــ ۱۱۳)

لیکن ساتھ ہی حضرت نے یہ بھی صراحت فرما دی ہے کہ جانبِ مرجوح پر ہی اس محقق عالم کو عمل کرنا چاہیے، اگر دلیلِ شرعی سے اُس پر عمل کرنے کی گنجائش ہو اور جانب راجح پر عمل کرنے میں عوام کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

''اگر مرجوح جانب میں بھی دلیلِ شرعی سے عمل کی گنجائش ہو، تو ایسے موقع پر جہاں احتمال فتنہ وتشویش عوام کا ہو، مسلمانوں کو تفریقِ کلمہ سے بچانے کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ اُس مرجوح جانب پر عمل کرے۔'' (حوالۂ بالا، ص،۱۰۸)۔

حضرت نے اِس سلسلے میں استدلال کے لیے دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں، پوری بحث کو محولۂ بالا کتاب میں پڑھا جا سکتا ہے۔

راقم کی راے ہے کہ ذہین وقوی الحافظہ لوگ حب کثرت سے مطالعہ کرتے ہیں، تو علم وفن کے نئے نئے دریچے اُن پر کھلتے ہیں اور اُن میں تدبرّ وتفکّر کا ملکہ مطالعے کی وسعت کے ساتھ ساتھ تیزی سے پروان چڑھتا جاتا ہے، وہ دیرینہ مواقف ومسائل پر مقلدانہ نہیں مجتہدانہ انداز میں سوچنے اور ازسرِنو تحلیل وتجزیہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر اُن زندہ شخصیتوں کی (جو اُن کے نزدیک علمی وروحانی طور پر لائقِ تعظیم واتباع اور مُستنَد ومُسلَّم ہوتی ہیں) معتد بہ عرصے تک ـــ جس میں فکر ونظر مکمل طور پر پختہ ہوجاتی ہے ـــ صحبت اور فکری سرپرستی اور روحانی تربیت، خدا کی توفیق سے نصیب ہوجاتی ہے، تو وہ معمول بہ مسلک سے، اپنے اخذ کردہ دلائل کی قوت اور اپنی عقل وفکر کے مشورے کے باوجود، یہ سوچ کر سرِمو انحراف نہیں کرتے کہ ہماری لائقِ تعظیم واتباع شخصیتیں ہم سے زیادہ سمجھ دار، تجربہ کار، سن رسیدہ اور علم وعمل کی کسوٹی پر ہر طرح زیادہ صحیح اُترنے کے باوجود، جب مسلک کے سارے مسائل: کلیات وجزئیات میں، تقلید کی روش پر قائم ہیں، تو کیا ہمارا مطالعہ اور مطالعے کے نتائج اور ہمارے اخذ کردہ دلائل اور دلائل کے اشارے ہی زیادہ صحیح کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

راقم کا خیال ہے کہ اگر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدّس سرُّہ اور حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رامپوری نوراللہ مرقدہ (جن دونوں کے حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ دست گرفتہ اور علمی وروحانی طور پر جن سے سب سے زیادہ مربوط اور قریب تھے) جیسے اکابر کی تادیر مولانا محمد یونسؒ کو صحبت وسرپرستی حاصل رہتی اور اُن کے علمی وفکری شہباز کی بلند پروازی کے زمانے میں بہ طورِ خاص، اِن دونوں بزرگوں کو اُن کی روحانی اور فکری پرورش ونگرانی کا موقع مل گیا ہوتا اور فکری پختگی کے بعد ہی اُن دونوں حضرات سے اُن کی جدائی ہوئی ہوتی، تو حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہ کی علماے متقنین ومحققین کو نصیحت کے مطابق اُن مسائل میں عدول عن المسلک اور تفردات کی راہ اختیار نہ کرتے، جن میں اُنھوں نے خواہ تحقیقِ بسیار اور انشراحِ صدر کے بعد ہی سہی، مسلکِ احناف سے انحراف کیا۔ حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہ اُنھیں بالکل جوانی میں چھوڑ مدینہ منورہ ہجرت فرماگئے اور چند سال بعد ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں وہ اپنے رب سے جاملے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ قدّس سِرُّہ تو حضرت شیخ سے بھی تین سال قبل ہی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے؛ اس لیے مولانا محمد یونسؒ کو قافلۂ علم وفکر کی جادہ پیمائی کے شباب کے زمانے میں اپنے مذکورہ اساتذہ وشیوخ کی معنوی نگہ بانی حاصل نہ ہوسکی۔

ہمارے اکابر، بالخصوص حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ (۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء ـــ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) وعالم ربانی ومحدث وفقیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدّس سِرُّہ (۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء ـــ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) وحکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ اور محدث بےنظیر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدّس سِرُّہ (۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء ـــ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) وحضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری قدس سرہ (۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء ـــ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء) وغیرہ غیر معمولی ذہین، سریع الفہم اور قوی الحافظہ تھے؛ بل کہ وہ علم وفضل کا بحرِ ناپیدا کنار تھے؛ لیکن انھوں نے محقق ہونے کے باوجود، کسی مسئلے میں عدول عن المسلک کی راہ نہیں چلی؛ کیوں کہ اپنے کاروانِ علم ونظر کی

چابک خرامی کے عرصے میں اساتذہ ومشائخ کی بہ راہ راست سرپرستی سے وہ بہرہ یاب رہے۔

❀ ❀ ❀

بہ ہر کیف حضرت مولانا جون پوریؒ کے گراں قدر علمی اِفادات کا ایک بڑا حصہ ''الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ'' (چار جلدیں) نیز ''نوادر الفقہ'' اور ''نوادر الحدیث'' وغیرہ میں آ گیا ہے۔ اول الذکر کتاب میں وہ علمی استفسارات بھی شامل ہیں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ اور حضرت شاہ مولانا محمد اسعد اللہ نور اللہ مرقدہ جیسے اساطینِ وقت نے اُن سے کیے تھے اور جن کے اُنھوں نے جوابات لکھے تھے۔ اُنھوں نے بخاری شریف پر جو حواشی وتعلیقات لکھی تھیں وہ ''نبراس الساری'' کے نام سے مدون ہو کر شائع ہونا شروع ہوئی ہیں، اُن کی ایک جلد منظر عام پر آ چکی ہے، دیگر جلدیں بھی زیر ترتیب وتدوین ہیں، توقع ہے کہ دو ایک سال کے اندر ہی شائع ہو جائیں گی۔

❀ ❀ ❀

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے راقم کو صرف دو مرتبہ ملاقات وزیارت کی سعادت حاصل ہو سکی، ایک مرتبہ کی ملاقات، جو اُن کی عیادت ہی کے لیے تھی، کا تذکرہ اس مضمون کے آغاز میں آ چکا ہے، ایک ملاقات، جو پہلی تھی، وہ اس سے کئی سال قبل ہوئی تھی، آم کے موسم میں ہوئی تھی؛ اس لیے بہت اہتمام سے انھوں نے خادم سے آم چھلوا اور ترشوا کر، راقم کو کھانے کا حکم فرمایا، جو اُس نے شکر کی بیماری کی وجہ سے زیادہ نہیں لیا۔

البتہ اپنی بعض تالیفات بعض طلبہ کے ذریعے اُن تک پہنچوائیں، تو اُنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اُنھیں جستہ جستہ دیکھا اور اپنے خاص انداز میں راقم کی کاوش کو سراہا۔ سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں صاحب قاسمی کیرانویؒ (۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء ــ ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء) کی سوانح ''وہ کوہ کن کی بات'' اُن تک پہنچی، تو اُس وقت کے مظاہر علوم کے دورۂ حدیث کے کئی طلبہ راقم سے آ کر ملے اور یہ بتایا کہ اُنھوں نے دورہ کے سبق کے دوران طلبہ، کے سامنے کتاب کی وقیع الفاظ میں تعریف کی اور طلبہ کو کتاب کے مطالعے کی یہ کہہ کر تلقین کی کہ ''ایک بڑے مفید استاذ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ پر بڑی مفید کتاب آئی ہے، تم لوگ اس کو ضرور پڑھو، کتاب کا نام (وہ کوہ کن کی بات) ہے''۔

راقم کی کتاب ''صلیبی صہیونی جنگ'' اور ''کیا اسلام پسپا ہو رہا ہے'' حضرت مولانا کو پہنچائی گئیں تو انھوں نے اپنے اُس وقت کے خادم مولانا امتیاز احمد مفتاحی مظاہری استاذ معہدِ فیضِ دارین سورت، کے بہ قول حاضرینِ مجلس سے فرمایا: ''نور عالم اچھا لکھتا ہے، اُس کی زبان میں پختگی ہے، اللہ اُس سے مزید کام لے''

عزیزم مولانا اسجد قاسمی بن مولانا قاری جمشید علی سہارن پوری، استاذ مظاہر علوم سہارن پور کے ذریعے راقم نے اپنی دو کتابیں: ''متى تكون الكتابات مؤثرة؟'' اور ''تعلموا العربية فإنها من دينكم'' حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھیجوائیں، تو انھوں نے ارشاد فرمایا: نور عالم پڑھنے لکھنے والے آدمی ہیں، اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، اللہ اُن سے مزید کام لے''

❀ ❀ ❀

مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نازک طبع انسان تھے، ذراسی بات بھی، جو پھوہڑپن اور بدسلیقگی کی وجہ سے، خردوں سے ہوجاتیں، خاصے ناراض ہوجاتے؛ لیکن رقیق القلب تھے، اکثر معافی مانگ لیتے تھے، خردوں کے ساتھ بالعموم ''مولانا'' وغیرہ القاب کا استعمال نہ کرتے؛ بل کہ صرف اُن کے ناموں سے اُنھیں مخاطب کرتے۔ آخری سالوں میں موت کا بہت استحضار رہنے لگا تھا، اکثر موت کو یاد کرکے وہ رونے لگتے تھے۔ اُن کی صاف گوئی، غلطیوں پر روک ٹوک اور بے ہنری وناشایستگی کی حرکات پر ناراضگی کا اظہار سے ہر خاص وعام واقف تھا۔

دراز قد، قدرے بٹا ہوا سڈول بدن، کھلتا رنگ، اونچی ستواں ناک، گھنیری داڑھی، قدرے بیضوی چہرہ، کشادہ آنکھیں، بڑی بڑی پلکیں، نیزے کی طرح پتلی اور گھنیری بھنویں، معمولی سادہ سوتی سفید کپڑوں کا لباس، سر پر دوپلی ٹوپی، چال میں وقار، بات میں ٹھہراؤ، مزاج میں نزاکت، طبیعت حساس، زندگی کے معمولی سامان، حیاتِ فانی کی امیدیں قلیل، آخرت کی حیاتِ جاودانی کے لیے مقاصد جلیل، ہر طرف سے منھ موڑ کر صرف کتابوں سے ہم کلام۔ یہ تھے مظاہر علوم سہارن پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسعد اللہ نور اللہ مرقدہ کے مجاز اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے تلمیذِ رشید وجانشین وخلیفہ مولانا محمد یونس، جون پوری ثم السہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

کتنے لوگ اس دنیا سے اس تمنا میں چلے جاتے ہیں کہ اُنھیں شہرتِ عام اور عزتِ دوام حاصل ہوجائے؛ لیکن وہ اس کی راہ چلنے اور مطلوبہ قربانیاں پیش کرنے سے عاجز رہتے ہیں، مشقتوں سے جی چراتے ہیں، آرام وراحت کو ترجیح دیتے ہیں؛ اِس لیے اُن کی ذات خود اُن کو زبانِ حال سے کوستی ہے:

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اُس آرام طلب کو

مولانا محمد یونس نے صرف ایک محبوب کے قدموں میں اپنی جان دے دی اور وہ تھا علمِ حدیث، تو خدا کی توفیق اور اپنی محنت سے وہ کیا جس کی دنیا شاہد ہے۔

حضرت مولاناؒ اب اِس دنیا میں نہیں رہے؛ لیکن اُن کا نام ان شاء اللہ ورد زبان رہے گا، اُن کے کام کو دوام ہوگا، اور وہ اپنے ربِّ شکور کی طرف سے بے پناہ جزا کے سزاوار ہوں گے۔

العِلْمُ أَنْفَسُ شَيْءٍ أَنْتَ ذَاخِرُهُ
مَنْ يَدْرُسِ الْعِلْمَ لَمْ تَدْرُسْ مَفَاخِرُهُ

❁ ❁ ❁